OPEN ACCESS: Al Khadim Research Journal of Islamic Culture and Civilization
ISSN (ONLINE): 2710-0235 & ISSN (PRINT): 2710-0227
https://www.arjicc.com

اختلاف فقہاء کے اسباب: ایک تحقیقی مطالعہ

Reasons of disagreement among Jurists: An Exploratory study

Ms. Gulmina Nazir
Lecturer of Islamic Studies SBK Women University Quetta and Ph.D Scholar University of Sindh Jamshoro.
Email: gulminakakar1717@gmail.com

Dr. Peree Gul Tareen
Lecturer of Islamic Studies SBK Women University Quetta.
Email: pareegul563@gmail.com.

Ms. Alina Shakeel
Lecturer of Islamic Studies SBK Women University Quetta Ph.D Scholar AIU Quetta.
Email: binteshakeel2017@gmail.com

Received on: 10-07-2024 Accepted on: 16-08-2024

Abstract

Difference of opinion among scholars is Rahma(mercy) for Muslims as it help offers verities of solutions to a problem (s) in existence and the differences among them was not in Quran and Hadith but it lies mostly on tiny issues of Shariah..This paper highlights the validity and the degree of disagreement of opinions among four major Muslims Juristic (Maliki ,Hanafi , Shafi'i and Hanbali) with a view to show the reasons and importance of the differences of Juristic opinion for Muslims world over.

Keywords: Disagreement, Muslim Jurists, Juristic reviews.

دوسری صدی ہجری کے آغاز سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے نصف تک کا دور اجتہاد کا سنہری دور ہے جس میں افق اجتہاد پر بے شمار مجتہد نمودار ہوئے، بے پناہ شہرت ملنے کے بعد ان پیروکاروں کی خاصی تعداد بڑھی اور پھر ان کے مذہب مدون کیے گئے اور ان کی آراء کی تقلید کی گئی لیکن ان مذاہب میں سے اکثر اپنے پیروکاروں کے ختم ہونے سے باقی نہ رہے۔ باقی رہنے والے مذاہب میں اپنی بعض خصوصیات اور جامعیت کی وجہ سے مذاہب اربعہ (مالکی، حنفی، شافعی اور حنبلی) آج تک قائم ہیں۔ ان کے بانی جلیل القدر فقہاء تھے جو قرآن وحدیث سے پیش آنے والے مسائل کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کرتے اور احادیث میں اختلاف کی صورت میں اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اگر صحابہ کرام کی طرف سے تصریح مل جاتی تو بات واضح ہو جاتی ورنہ صحابہ کرام کی عدمِ تصریح کی صورت میں ان کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عدمِ قبول اس حدیث کو ضعیف یا منسوخ یا قابلِ تاویل قرار دینے کے مترادف ہوتا۔ ایسی تمام صورتوں میں یہ فقہاء، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع کیا کرتے تھے۔ اگر ایک مسئلہ کے متعلق اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مختلف آراء ہوتیں تو جو رائے قرآن

و حدیث اور عقل سلیم کے موافق ہوتی تو اسے اختیار کر لیتے اور جب یہ فقہاء پیش آمدہ مسئلہ کا حل صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ سے منقول اقوال و آثار میں بھی نہ پاتے تو ان کے کلام سے مسائل کا استنباط کرتے اور بطریقِ ایماء و اقتضاء انہی کے اقوال و آثار سے مسئلہ کا حل نکال لیا کرتے۔ یہی وہ طبقہ ہے جنہوں نے اجتہاد کے لیے باقاعدہ اصول وضع کئے۔ جن آئمہ نے اس میدان میں دین کی خدمت کے لیے اپنی عمریں صرف کیں وہ اپنی تقویٰ، زہد و ورع، ثقاہت و دیانت، علم و فکر اور کردار کے حامل اعلیٰ ترین مقام و مرتبہ والی ہستیاں ہیں۔ لہٰذا وقت کی سہولت کی خاطر انہوں نے نہایت باریکی، ایمانداری اور دیانت سے مسائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں مرتب کیا۔ شریعت اسلامی کے ایسے اصول و قواعد وضع کئے جس سے عام مسلمانوں کو دین کے فہم میں اور اس پر عمل پیرا ہونے میں فائدہ ہوا۔ لیکن اس کے ساتھ فکری تنوع، جغرافیائی اختلاف، اور مختلف حالات کے باعث ان کے سامنے آنے والے مسائل کا حل بھی کبھی کبھار مختلف ہوتا تھا۔ چنانچہ یہی اختلاف اور ان کے اسباب مقالہ ہذا کا خاص موضوع ہے اور علمی حدود میں رہتے ہوئے خود آئمہ مجتہدین کے ذاتی طرزِ عمل کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔

فقہی اختلاف کا تعارف

اختلاف افتعال باب سے ہے اور یہ اتفاق کی ضد ہے۔ کسی کے احوال یا اس کی باتوں سے کوئی الگ راستہ اختیار کرنے کو اختلاف اور مخالفت کہتے ہیں۔ فقہی اصطلاح میں ایک مسئلہ میں الگ الگ رائے ہونا اختلاف ہے۔ یہ اختلاف انسانی افکار اور فہمِ نصوص کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے۔ اختلاف کی تعریف کرتے ہوئے علامہ جرجانیؒ تحریر فرماتے ہیں 'منازعۃ تجری بین المتعارضین لتحقیق حق و ابطال'' حق کے اثبات اور باطل کے ابطال کے لئے دو فریقوں کے درمیان جو بحث و مباحثہ ہو اس کا نام اختلاف ہے۔[1] قرآن و سنت پر غور کرنے سے اختلاف کی تین صورتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

اختلاف مذموم اختلاف محمود اختلاف مباح

(۱): اختلاف مذموم

قرآن کریم اور سنت نبوی سے ثابت شدہ اصول و کلیات سے اختلاف، اختلاف مذموم کے ضمن میں آتا ہے۔

(۲): اختلافِ محمود

وہ اختلاف جو کتاب و سنت کی بنیاد پر ان لوگوں سے ہو جو کتاب و سنت کے منکر ہوں یا کتاب و سنت پر عمل آوری میں کوتاہی اور سہل نگاری کے مرتکب ہوں جیسے کافر، مشرک، اہل کتاب، فاسق اور اہل بدعت سے اختلاف۔ یہ اختلاف محمود اور قابل تعریف ہے۔

(۳): اختلاف مباح

اختلاف مباح سے مراد وہ علمی اختلافات ہیں جو صحابہ کرام، آئمہ مجتہدین اور فقہاء کے درمیان اجتہاد کے ذریعہ غیر منصوص مسائل کے حکم شرعی معلوم کرنے کے سلسلے میں نمودار ہوئے۔ کیونکہ علماء اصول کے نزدیک اجتہاد نام ہے غیر منصوص مسائل کے شرعی احکام معلوم کرنے کا ایسی جستجو اور کوشش کے ذریعہ کہ اس سے زیادہ کوشش اور جستجو ممکن نہ ہو۔ **الاجتہاد فی اصطلاح الاصولیین مخصوص باستفراغ**

الوسع فی طلب الظن بشئی من الاحکام الشرعیۃ علی وجہ یحس منہ النفس العجز عن المزید فیہ2اسی لیے فقہاء کے درمیان یہ بات مسلمہ اصول کی حیثیت رکھتی ہے کہ منصوص اور مجمع علیہ مسائل میں اجتہاد جائز نہیں۔احکام کے استنباط اور نصوص کے سمجھنے میں انسانی افکار میں تفاوت اور شریعت کے اسرار واحکامِ شرعیہ کی علتوں کو اپنی سوچ کے مطابق سمجھنا اختلاف کو پیدا کرتا ہے اختلاف کا سبب انسان کا بے بسی ہے لیکن کسی مسئلے میں مختلف آراء ہونے پر کسی ایک پر عمل جائز ہو جاتا ہے لوگوں پر حرج (تنگی) اٹھانے کے سبب کہ ان کے پاس وحی کے ختم ہونے کے بعد دوسرا کوئی راستہ نہیں سوائے یہ کہ مجتہد اپنی غالب رائے کو اختیار کرے یا اس کو جسے اس نے دلائلِ ظنّیہ سے سمجھا۔ چنانچہ فقہاء کی علمی کاوشوں کے نتیجہ میں شریعت کے ''غیر منصوص شعبے'' میں فقہی اجتہادات کا قابل قدر اور وقیع ذخیرہ وجود میں آیا جو امت مسلمہ کا بیش بہا سرمایہ ہے۔انہی اجتہادات میں فقہاء کے اختلافات پائے جاتے ہیں کیونکہ ہر ایک کی فکری استعداد دوسرے سے مختلف ہوتی ہے اس لیے مسائل کا حل بھی مختلف ہوتا ہے اسی اختلاف کو نبی اکرم ﷺ نے رحمۃ قرار دیا ہے۔3البتہ یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ اُصولی اَحکام کے مسائل جن کا تعلق عقائد سے ہے یا اسی طرح وہ مسائل جن میں اہلِ سنت والجماعت کا اجماع ہو، ان میں اختلاف کرنا گم راہی ہے اور ذکر کردہ ''رحمت'' کے تحت شامل نہیں ہے۔

فقہی اختلاف کا پس منظر (ابتداء وارتقاء)

دور نبویؐ میں مسلمانوں کے سامنے دین کے دو ہی مأخذ تھے، ایک قرآن، دوسرے سنت۔احکامات خداوندی پر عمل کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے اور سنت سے رہنمائی لیتے۔مثال کے طور پر حضورؐ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ صحابہ کرام کے سامنے وضو فرماتے، صحابہ کرام آپ ﷺ کو دیکھ کر وضو کا طریقہ سیکھنے کی کوشش کرتے اور سیکھنے کے بعد وہی طریقہ اپنا لیتے اسی طرح تمام تر عبادات کے سیکھنے کا یہی طریقہ رہا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو دیکھ کر اسی طرح ان عبادات پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ۔یوں آپ ﷺ سے تمام دینی اعمال صحابہ کے اجماع اور عملی تواتر سے نسل در نسل منتقل ہوتے رہے۔حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف'' میں لکھتے ہیں:

''الغرض آپ ﷺ کا عام طریقۂ تعلیم یہی تھا۔آپؐ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ وضو کے چار یا چھ فرض ہیں اور نہ کبھی آپؐ نے یہ گمان کیا کہ ہو سکتا ہے کبھی کوئی شخص اعضائے وضو کو پے در پے نہ دھوئے جس کی وجہ سے وضو کے درست ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کیا جائے۔اس بارے میں کبھی کبھار ہی کچھ فرمایا کرتے تھے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے ایسے سوالات بہت کم کیا کرتے تھے-3

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے کبھی خود سوال نہیں کیا کہ ہر عبادت کی تفصیل کیا ہے۔سوائے اس کے کہ خود قرآن مجید نے کسی موقعے پر نشاندہی کر دی ہو کیونکہ یہی وہ کتاب تھی جو مسلمانوں کی تمام تر انفرادی اور اجتماعی سمت کی نشاندہی کرتی تھی جس کی اتباع خود حضور اکرم ﷺ پر بھی لازم تھی۔(چونکہ حضورؐ کی ذات خود قرآن کی تفسیر تھی اس لئے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سنت کو بھی حجت مانتے اور دین کے معاملے میں وہی کرتے جو حضورؐ کو کرتا ہوا دیکھتے۔دور رسالت تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اسی طریقے پر عمل پیرا رہے لیکن

حضور ﷺ کی دنیا سے رخصت کے بعد جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا مختلف اقوام کے لوگوں سے واسطہ پڑا تو ان علاقوں کی اپنی اپنی ثقافت اور عرف کی وجہ سے نئے حالات اور واقعات سامنے آئے اور کئی ایسے نئے مسائل پیش آئے جن کے متعلق صحابہ کرام سے فتوے پوچھے جاتے ۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہ قرآن اور سنت میں ان کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کرتے اگر وہاں کوئی حل نہ پاتے تو حضورؐ کے کئے گئے فیصلوں کی علت معلوم کر کے اپنی ذاتی رائے سے استنباط کرتے اور پوری کوشش کرتے کہ وہ فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے اصولوں کے عین مطابق ہوں۔اس طرح کے فیصلوں کے لئے ''اجتہاد'' کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کو بھی اجتہاد کی اجازت تھی اور بعض معاملات میں آپ ﷺ نے خود بھی اجتہاد کیا اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو بھی اجتہاد کی اجازت دی اور دور نبوی ہی میں انہوں نے اس پر عمل بھی فرمایا۔ چنانچہ دورِ صحابہ میں بے شمار حضرات ''مکثرین فی العلم والفتاوی'' کی حیثیت سے مسلمانوں کے درمیان رہے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرھم شامل تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے اجتہاد کے ثبوت میں درج ذیل مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

ا۔ وہ لوگ جو غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے انہوں نے مختلف عذر پیش کر کے نبی اکرم ﷺ سے رخصت حاصل کر لی تھی۔ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنبیہ فرمائی کہ: ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِيْنَ ﴾ ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف تو کر دیا، آپ نے ان کو اجازت کیوں دی تھی، جب تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے اور جھوٹوں کو آپ معلوم نہ کر لیتے۔''[4]

۲۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جہینہ کی ایک خاتون نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میری والدہ نے حج کی منت مانی تھی لیکن یہ منت پوری کرنے سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کر سکتی ہوں ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں کر سکتی ہو۔ کیا خیال ہے اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا اس کا ادا کرنا ضروری نہیں تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کا حق ادا کیا جائے۔[5]

حضور ﷺ نے بعض مقامات پر جو اجتہادات کیے اگر وہ درست ہوتے تو وحی سے ان کی تائید ہو جاتی ورنہ وحی کے ذریعے صحیح رہنمائی مل جاتی۔ دورِ رسالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بھی اجتہاد کیا کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا اجتہاد رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہوتا چنانچہ اگر آپ ﷺ اسے بحال رکھتے تو مانا جاتا اور اگر آپ ﷺ اسے رد کر دیتے تو یہ اجتہاد مسترد ہو جاتا۔

پھر تابعین کا دور آیا۔ وہ اختلافی مسائل میں جس صحابی کے قول میں سہولت و آسانی دیکھتے، اختیار کر لیتے۔ کسی مسئلے میں حضور ﷺ کی مختلف احادیث دیکھ لیتے تو اقوالِ صحابہ کی طرف رجوع کرتے۔ تاکہ کسی حدیث کا منسوخ، قابل تاویل یا کسی تصریح کے بغیر ترک کرنے کی حقیقت بالکل واضح ہوں اور جس مسئلے میں وہ سلف کی رائے نہ پاتے وہاں ذاتی اجتہاد سے کام لیتے۔ تابعین کے دور تک کوئی ایسا مسلک نہیں بنا تھا کہ

مسلمانوں کا کوئی گروہ اپنے ہر مسئلے میں ان ہی کی تقلید کرتا۔ لوگوں کا یہ حال تھا کہ وہ عبادات اور معاملات اپنے باپ دادا یا علاقے کے معلمین سے سیکھتے اور اسی کے مطابق عمل کرتے، جب کوئی نیا امر پیش آتا تو جس مفتی، فقیہ یا مجتہد کو پاتے اس سے فتویٰ پوچھ لیتے۔ تابعین میں سعید بن مسیب، سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، قاضی یحیٰ بن سعید، ربیعہ بن عبدالرحمٰن، عطاء بن ابی رباح، ابراہیم نخعیؒ، امام شعبیؒ، حسن بصریؒ، طاؤس بن کیسان اور امام مکحولؒ وغیرھم جیسے بلند پایہ علماء نے اپنے علم کی دھاک بٹھادی۔

ان اختلافات کے باوجود تابعین کے دور تک کوئی خاص مسلک نہیں بنا تھا۔ اس کے متعلق راشد شاذ لکھتے ہیں:

"تاریخ کی کتابیں اس ذکر سے خالی ہیں کہ صحابہ کرام کے دور میں تفقہ کی بنیاد پر اہل فکر مسلمانوں کا کوئی گروہ وجود میں آیا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غیر معمولی ذہانت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے اصحابِ نبی کی معاملہ فہمی گو کہ خود عہدِ صحابہ ہیں مشہور تھی۔ جب محدثین کی مجلسوں میں احادیث کے مختلف خیالات کی بنیاد پر رائے کے اختلافات وجود میں آنے لگے اور ان بنیادوں پر سنت کی صحیح تعبیر کے سلسلے میں اختلافات واقع ہوگئے تب بھی مسلمانوں کا کوئی گروہ علماء کے کسی سکول یا شخصی حوالے سے نہیں جانا جاتا تھا ۔۔۔۔ ابتدائی عہد میں مسلمانوں کے نظری اختلافات نے کبھی ایسی صورتحال نہیں پیدا کی کہ فہمِ دین کی بنیاد پر اجتماعی طور سے علیحدہ چھوٹی چھوٹی شناختوں کے دائرے قائم ہو جائیں۔۔۔۔ اگر ایسا ہوتا تو کوئی وجہ نہیں کہ حنفی فقہ تو دو تہائی مسلمانوں کے لیے مستند اسلامی فکر کا حوالہ بن جائے لیکن خود ابو حنیفہ کے سلسلۂ شیوخ میں حماد، نخعی، علقمہ اور اسود جیسے اصحابِ فن کو علیحدہ مدرسۂ فکر کی حیثیت حاصل نہ ہو۔ نہ تو ابو حنیفہ کو اور نہ ہی ان کے محترم اساتذہ کو کبھی اس بات کا خیال آیا کہ وہ اپنے ناموں سے علقمی، اسودی، مسعودی اور حمادی مکاتبِ فکر کی داغ بیل ڈالیں۔ تب ان آئمہ فقہ کی موجود گی محض اساتذۂ فن کی حیثیت سے تسلیم کی جاتی تھی۔ انھیں اسلامی فکر اور عقیدے کی تشریح و تعبیر کا حتمی حق حاصل نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ جب ہارون رشید نے امام مالکؒ سے ان کی مشہور زمانہ فقہی احادیث کے مجموعہ مؤطا کو خلافت کا دستور بنانے کی پیشکش کی تو وہ اس مسئولیت کے احساس سے ہی کانپ اٹھے اور انھوں نے خلیفۂ وقت کو اس خیال سے باز رکھا۔ تب لوگوں کے لیے یہ ممکن تھا کہ ایک ہی وقت میں کسی مخصوص مسئلے پر مختلف اہل علم کی رائے سے اکتسابِ فیض حاصل کر سکیں۔6

تابعین کے دور میں دو آدمی خوب نمایاں ہوئے ایک سعید بن مسیب اہل مدینہ میں سے اور دوسرے ابراہیم نخعیؒ اصحاب کوفہ میں سے۔ سعید بن مسیّب نے اپنے اجتہادات اور فیصلوں کی بنیاد مکہ و مدینہ کے فقہاء اور صحابہ کے فتوؤں پر قائم کی۔ جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت بن عباس رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ ان صحابہ کے درمیان جن مسائل میں اختلاف پایا وہاں اصولوں کے مطابق کسی ایک بات کو ترجیح دی۔ جہاں سرے سے کچھ نہیں پایا اس میں خود ہی اجتہاد سے کام لے کر مسئلہ کا حل ڈھونڈ نکالا۔ اسی طرح کوفہ میں ابراہیم نخعیؒ نے اپنے مسلک کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، قاضی شریح اور کوفہ کے دوسرے قضاۃ کے فیصلوں پر قائم کی۔ گویا تابعین کے عہد میں دو مسلک

وجود پا گئے تھے۔ان دو مسلکوں کے درمیان کچھ زیادہ اختلاف نہیں تھا، فرق بس اتنا تھا کہ کوفہ والوں نے اپنے فقہاء کو ترجیح دی اور مدینہ والوں نے اپنے تابعین کے بعد تبع تابعین کا دور آیا۔ جسے فقہاء کا دور کہا جاتا ہے اور جس میں فقہ کی تدوین کا باقاعدہ اہتمام کیا گیا۔امام مالک بن انسؒ، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذوہیبؒ، امام ثوریؒ، ابنِ جریجؒ، ابنِ عیینہؒ، اور ربیع بن الصبح وغیرھم نے فقہ کی تدوین میں نمایاں خدمات انجام دیں۔اس عہد میں کچھ ایسی باتیں بھی سامنے آئیں جن کے باعث زیادہ اختلافات کی راہ ہموار ہو گئی۔ان میں سے ایک یہ بات قابل غور تھی کہ لوگ موقوف، مرسل اور ہر طرح کی روایات بغیر چھان بین کے بے تکلف لیا کرتے تھے۔اور اسے من جانبِ رسول اللہ ﷺ سمجھا کرتے ۔دوسری بات یہ کہ مختلف فیہ مسائل میں کوفہ اور مدینہ والوں کا اپنے ہی علاقے کے فقہاء کی رائے کو صائب ماننا بھی اختلاف کی راہ ہموار کر گیا ۔جن کے باعث آنے والے ادوار میں مختلف فقہوں کی بنیاد پڑی جن میں سے چار مسالک کو خاصی شہرت ملی۔

فقہ مالکی

اس مسلک کے بانی حضرت امام مالکؒ ہیں۔انہوں نے سعید بن المسیب کی طرح اہلِ مدینہ کے علم و عمل، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فیصلوں کے مطابق فقہ کی بنیاد رکھی۔امام مالکؒ ہمیشہ مدینہ میں ہی مقیم رہے اس لیے اس کی نشو و نما مدینہ میں ہوئی پھر آہستہ آہستہ پورے حجاز، یمن، بصرہ، مصر، اندلس، شام، مراکش، سسلی اور سوڈان وغیرہ میں بھی پھیل گیا۔اس مسلک کو مغرب کے ممالک میں کافی پزیرائی ملی۔آج کل یہ مذہب مراکش، موریطانیہ، تیونس، الجزائر اور لیبیا میں موجود ہے اور ان علاقوں میں اس مذہب کے پیروکار کثرت سے پائے جاتے ہیں، تاہم مصر، سوڈان، لبنان اور حجاز میں بھی ان کی اقلیت موجود ہے۔۱۹۳۰ء میں لگائے گئے اندازے کے مطابق اس مسلک کے پیروکاروں کی تعداد چار کروڑ تھی۔

فقہ حنفی

مذاہب اربعہ میں سب سے قدیم مذہب مذہب حنفی ہے۔اس کی نشو و نما کوفہ میں ہوئی کیونکہ اس کے امام ''ابو حنیفہؒ'' اس علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔پھر آہستہ آہستہ یہ مذہب پورے عراق میں پھیل گیا۔ خراسان، سجستان، جرجان، طبرستان، افغانستان، فارس، شام، ترکی، بنگلہ دیش، ترکمانستان، تاجکستان، قازقستان، بوسنیا، البانیہ اور برصغیر پاک و ہند میں اس مذہب کے پیروکار کثرت سے موجود ہیں۔ جبکہ ایران انڈونیشیا، سری لنکا، تھائی لینڈ، ملائیشیا، برما، سعودی عرب اور برازیل وغیرہ میں بہت کم ہے۔ایک محتاط اندازے کے مطابق احناف دنیا کے کل مسلمانوں کا دو تہائی حصہ ہیں۔امام ابو حنیفہؒ اسی عہد کے بلند پایہ فقیہہ تھے شاہ ولی اللہؒ امام صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں: ''امام ابو حنیفہؒ سب سے زیادہ ابراہیم نخعیؒ اور ان کے ہم عصروں کے مسلک پر قائم رہے کبھی کبھار ہی اس سے تجاوز کیا۔اس مسلک کے اصولوں پر مسائل کی تخریج میں آپ کا مقام بڑا بلند تھا۔اخذ مسائل میں آپ بہت دقتِ نظر سے کام لیتے اور جزئیات پر بھی مکمل توجہ تھی۔اگر آپ کو ہمارے اس قول کی صداقت مطلوب ہے تو امام محمدؒ کی کتاب الآثار، عبدالرزاق کی جامع مصنف، ابو بکر بن ابی شیبہ اور ابراہیم نخعیؒ کے اقوال جمع کر لیجیے پھر امام ابو حنیفہؒ کے مسلک سے ان کا مقابلہ کیجئے تو معلوم ہو گا کہ وہ بہت کم باتوں میں ابراہیم نخعیؒ کے راستے سے ہٹتے ہیں اور فقہائے کوفہ کے

مذہب سے باہر نہیں جاتے"۔7

"امام ابو حنیفہؒ نے اپنے طرزِ استدلال سے متعلق واضح کیا:

"میں کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں۔ جو بات کتاب اللہ میں نہ ملے، اس میں رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرتا ہوں۔ اگر مجھے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں وہ بات نہ ملے تو میں نبی ﷺ کے صحابہ کے قول پر عمل کرتا ہوں اور ان میں سے جس کے قول کو چاہتا ہوں، لے لیتا ہوں اور جس کے قول کو چاہتا ہوں، چھوڑ دیتا ہوں، البتہ ان کے قول کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے قول کو اختیار نہیں کرتا۔ ہاں، جب معاملہ ابراہیم نخعی، شعبی، محمد بن سیرین، حسن بصری، عطاء بن ابی رباح، سعید بن المسیب، انھوں نے مزید بھی نام گنوائے ۔۔۔۔۔۔۔۔ تک پہنچ جائے تو یہ کچھ لوگ ہیں جنھوں نے اجتہاد کیا، چنانچہ میں بھی اجتہاد کرتا ہوں جیسے انھوں نے اجتہاد کیا۔8

امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ مشہور ابو یوسفؒ تھے اور بہ اعتبار تصنیف و تالیف اور درس و تدریس سب سے بڑھ کر امام محمدؒ تھے۔ امام محمدؒ امام ابو حنیفہؒ، ابو یوسفؒ اور امام مالکؒ تینوں کے شاگرد رہ چکے تھے اس لیے وہ ان تینوں شیوخ کے اجتہادات میں غور و فکر کرتے جہاں پر موافقت پاتے عمل کر لیتے ورنہ جہاں اپنے اساتذہ اور شیوخ کے قیاس کو صحیح حدیث کے خلاف پاتے یا استنباط اور قیاس کو کمزور دیکھ لیتے تو اپنے شیوخ کے اجتہاد کو چھوڑ کر سلف کے مسالک میں سے کسی قابل ترجیح مسلک کے فتویٰ کی طرف رجوع کرتے۔ امام ابو یوسفؒ نے بھی بعض مقامات پر اپنے شیخ امام ابو حنیفہؒ سے اختلاف کیا ہے لیکن بہر حال ان تینوں کے مسالک کو مسلکِ حنفی مانا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں خود مستقل مجتہد تھے اور ان کے درمیان اختلافات بھی کچھ کم نہ تھے یہ اختلافات اصول اور فروع میں تھے۔

فقہ شافعی

بالکل اسی دور میں ایک اور فقیہ کا ظہور ہوا جسے دنیا امام شافعیؒ کے نام سے جانتی ہے انہوں نے دینی علوم میں امام مالکؒ اور امام محمدؒ سے خاص طور پر استفادہ کیا۔ شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں: "امام شافعیؒ نے اپنے پیش رووں کے طریقِ کار کو دیکھا اور اس میں ایسی چیزیں پائیں جس نے انہیں ان کی راہ پر چلنے سے روک دیا جس کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب "الام" میں کیا ہے۔ منجملہ ایسی باتوں کے امام شافعی نے دیکھا کہ ان سے پہلے مرسل و منقطع حدیث کو بھی لیا جاتا رہا جس کے سبب ان کے اجتہادات میں خلل واقع ہوا کیونکہ جب احادیث کی اسناد جمع کی جاتی ہیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سی احادیث مرسل ایسی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں۔"9

لہٰذا امام شافعیؒ نے مرسل احادیث کو چند شرائط کے ساتھ قبول کرنے کے اصول مقرر کر لیے۔ انہی اصولوں کے تعین میں امام شافعیؒ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اجتہاد میں غلطی کا امکان ہے لہٰذا اس سے اختلاف بھی جائز ہے۔ امام شافعیؒ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کے اجتہادات کے متعلق بھی کہہ دیتے کہ "**ھمرجالونحنرجال**" (وہ بھی انسان تھے، ہم بھی انسان ہیں جس طرح وہ مسائل کا استنباط کر سکتے ہیں، ہم بھی کر سکتے ہیں۔10

ان اختلافات کی بناء پر امام شافعیؒ نے از سر نو فقہ پر تدبر کیا، کچھ اصول بنائے اور کتابیں لکھیں۔ وہی علم بعد کے لوگوں میں پھیل گیا اور ایک

الگ مسلک بن گیا۔ سب سے پہلے یہ مسلک مصر میں متعارف ہوا پھر بغداد، شام، خراسان، توران اور بلاد فارس تک جا پہنچا۔ جبکہ آج کل اس کے اکثر پیروکار فلپائن، ملائیشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، سری لنکا، مصر، سوڈان، اردن، لیبیا، لبنان اور فلسطین میں آباد ہیں، ان کی کچھ تعداد شمالی افریقہ، سعودی عرب، عراق، شام، یمن اور برصغیر کے ساحلی علاقوں میں بھی موجود ہے۔ ۱۹۳۰ء کے اندازے کے مطابق دنیا میں شوافع کی تعداد تقریباً دس کروڑ تھی۔

فقہ حنبلی

اسی دور میں ایک مشہور محدث اور فقیہ ''امام احمد بن حنبلؒ'' بھی اپنے علم واجتہاد کے باعث کافی شہرت پا گئے۔ انہوں نے بھی اپنے وقت کے آئمہ سے اختلاف کیا جن کی بناء پر ایک اور مسلک ''حنبلی مسلک'' نے بلادِ اسلامی میں بعض لوگوں کو اپنی پیروکاری پر مائل کر لیا۔ آپؒ امام شافعیؒ کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔ آپ کا مذہب پہلے بغداد میں ابھرا پھر شام کے شہروں سے ہوتا ہوا دیگر علاقوں تک پھیل گیا لیکن اس مذہب کو وہ فروغ و عروج حاصل نہ ہوا جو پہلے تین مذاہب کو حاصل ہوا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

''امام احمد کا مسلک نہ پہلے زیادہ پھیلا اور نہ اب زیادہ پھیلا البتہ ان میں نویں صدی ہجری تک عہد بہ عہد مجتہد پیدا ہوتے رہے یہاں تک کہ نویں صدی ہجری میں وہ ختم ہو گئے۔ بیشتر علاقوں میں یہ مسلک کمزور پڑ گیا۔ حنبلی مسلک کا لگاؤ شافعی مذہب کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسے ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے مسالک کا لگاؤ امام ابو حنیفہ کے مسلک کے ساتھ۔ تاہم امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کی تدوین مذہب شافعی کے ساتھ ملا کر نہیں ہوئی جیسا کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مسالک کی تدوین امام ابو حنیفہؒ کے مسلک میں شامل ہے۔[11]

فقہی اختلاف کے اسباب

تمام آئمہ و فقہاء کرام، اسلام کے بنیادی عقائد اور اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت پر متفق ہیں۔ سب کے نزدیک احکام شرعیہ کا بنیادی ماخذ قرآن وسنت ہے، اختلاف احکام کی تعبیر و تشریح میں ہے۔ تمام آئمہ جب کسی جزوی مسئلے کی تحقیق میں اختلاف کرتے ہیں تو یہ اختلاف فروعی اختلاف کہلاتا ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں، کبھی یہ اختلاف قرآن کریم کی قراتوں کے مختلف ہونے پر ہوتا ہے اور کبھی حدیث نہ پہنچنے کی وجہ سے ہوتا ہے، کبھی دلائل میں تعارض کے وقت ترجیح میں اختلاف کی بناء پر ہوتا ہے اور کبھی نص کے فہم اور اس کی تفسیر میں اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ تحقیق کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی اجتہادات میں باہمی اختلاف کا آغاز ہوا اس کی متعدد وجوہات تھیں۔

کبھی ایسا ہوا کہ ایک صحابی نے کسی فیصلے سے متعلق آپ ﷺ کا فیصلہ سنا مگر دوسرے نے نہیں سنا اور اپنے اجتہاد سے کام لیا۔ کبھی کسی معاملے میں کوئی ایسی حدیث سامنے آجاتی جس کی بناء پر کوئی صحابی اجتہاد سے کام لے کر فیصلہ کر لیتا لیکن بعد میں ازواجِ مطہرات یا حضور ﷺ کے قریبی ساتھیوں کی طرف سے حضور ﷺ کا عمل اس سے کچھ مختلف بیان کیا جاتا۔ کبھی احکام کی نوعیت پر اختلاف سامنے آجاتا کہ صحابہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک عمل کرتے دیکھا لیکن اس عمل کی حیثیت کے تعین میں اختلاف ہو گیا۔ بعض نے اس فعل کو جائز قرار دیا

، بعض نے کارِ ثواب خیال کیا، بعض نے لازم قرار دیا جبکہ بعض نے اتفاقی امر قرار دیا۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ وہم یا سہو و نسیان اختلاف کا سبب بنا ۔ کبھی فہمِ حدیث میں کوئی غلطی اختلاف کی وجہ بنی اور کبھی فعلِ رسول ﷺ کی علت جاننے میں متضاد رائے سامنے آجاتیں۔ بعض دفعہ کسی موقعے پر حضور اکرم ﷺ کے دو حکموں کے درمیان موافقت نہ کرنے کی وجہ سے بھی صحابہ رضی اللہ عنہ میں اختلاف ہو جاتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ جب بھی اپنے اجتہاد کے مقابلے میں کوئی صحیح حدیث پالیتے تو فوراً اپنے قول سے رجوع کر لیتے یا اپنے اجتہاد کے مقابلے میں کسی جلیل القدر صحابی کا قول سن لیتے تو لوگوں کو ان ہی کے قول پر عمل کرنے کا حکم دیتے۔ یہ اختلاف کبھی مجتہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے الگ الگ علاقوں میں آباد ہونے کے باعث بھی بنے۔ کبھی قریب رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے اختلاف کر لیتے۔ متعدد مقامات پر صحابہ کرام نے خود بعض صحابہ کے اخبار آحاد کو اس بناء پر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ ان کے نزدیک کتاب اللہ کے نصوص یا اصولِ شرع کے خلاف تھیں۔ مثلاً

ا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کے بعد سورج کے طلوع ہونے سے قبل اور عصر کے بعد سورج کے غروب سے قبل نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔'' 12 ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا: ''عمر کو غلطی ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے (طلوع و غروب شمس سے قبل نہیں بلکہ) عین طلوع اور غروب شمس کے اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔'' 13 ام المؤمنین کے انکار کی وجہ دراصل یہ تھی کہ انھوں نے خود رسول اللہ ﷺ کو اپنے ہاں عصر کے بعد نفل نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ چنانچہ انھیں نبی ﷺ کی طرف سے اس کی ممانعت کی نسبت کو درست تسلیم کرنے میں تردد ہوا۔

۲۔ اسی طرح ایک موقع پر ایک شخص نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر مجھے جنابت لاحق ہو جائے اور پانی موجود نہ ہو تو کیا کروں ؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایسی حالت میں نماز نہ پڑھو۔ وہاں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یاد دلایا کہ میں اور آپ ایک سفر میں اکٹھے تھے۔ دورانِ سفر ہم دونوں کو جنابت لاحق ہوئی اور پانی میسر نہیں تھا۔ آپ نے تو اس حالت میں نماز ادا نہیں کی، لیکن میں نے (تیمم کی نیت سے) زمین پر اس طرح لوٹنیاں لیں جیسے جانور لیتا ہے اور پھر نماز ادا کر لی۔ واپسی پر جب میں نے نبی ﷺ کو یہ بات بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنابت کی حالت میں بھی تمھارے لیے تیمم کا وہی طریقہ کافی تھا جو وضو کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ جب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنایا تو انھوں نے سخت تعجب کا اظہار کیا اور ان کی روایت پر مطمئن نہیں ہوئے کیونکہ انھیں یہ واقعہ بالکل یاد نہیں تھا-14 چنانچہ انھوں نے عمار رضی اللہ عنہ سے کہا: ''اے عمار! اللہ سے ڈرو۔'' 15

ایسا بھی ہوا کہ کسی صحابی نے اپنے ہی والد سے کسی معاملے میں اختلاف کیا یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ سفر اور حضر میں اکثر وہ اللہ کے رسول کے ہم نوارہ چکے تھے۔ اس کی مثال حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہے جو صغار صحابہ میں سے تھے۔ حضور ﷺ کی وفات کے وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر بائیس سال کے قریب تھی۔ اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے فتاوٰی کا منصب سنبھال لیا۔ ان دونوں کے اجتہادی اختلافات کی چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے میں ایک یا دو مرتبہ دودھ چوسنے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی16 جبکہ حضرت بن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے میں ایک مرتبہ دودھ چوسنے سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔[17]

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عورتوں کے زیورات میں زکوٰۃ واجب قرار دیتے ہیں18 جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول تھا کہ زیورات کی زکوٰۃ یہ ہے کہ کسی کو عاریت کے طور پر بطور زکوٰۃ دے دیئے جائیں۔19

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھنے کے قائل تھے20 اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نمازِ فجر میں قنوت پڑھنے کو بدعت تصور کرتے تھے۔21

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلع کو طلاقِ بائن تصور کرتے تھے22 جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اسے فسخ نکاح سمجھتے تھے، طلاق نہیں سمجھتے تھے۔23

اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے دور ہی میں مختلف فقہی اجتہادات سامنے آئے لیکن انہی اصحاب کا یہ طرزِ عمل تھا کہ احادیث کو اپنی رائے پہ ترجیح دیتے اور اس کے مقابلے میں اپنی رائے کو ناقص تصور کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے نبیؐ کی طرف احادیث کی نسبت کو پرکھنے کے لیے درایت کا ایک عمومی قاعدہ بھی بیان کیا اور کہا کہ: ''جب تم مجھے رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے کوئی بات بیان کرتے سنو پھر تمھیں وہ کتاب اللہ میں نہ ملے اور لوگ (صحابہ) بھی اس کو اچھا نہ سمجھیں تو جان لو کہ میں نے آپ کی طرف جھوٹی بات کی نسبت کی ہے۔''24

اصحاب رسول ﷺ کا یہ بھی معمول تھا کہ جب ان کے سامنے حضور اکرم ﷺ کی کوئی حدیث بیان کی جاتی تو وہ اس کا ثبوت مانگتے۔ یہ نہیں کہ بغیر ثبوت کے وہ فوراً عمل کرتے۔ کیونکہ حدیث بیان کرنے میں کسی غلطی یا وہم کا اندیشہ بھی ہو سکتا تھا۔ اگر حدیث کا ثبوت مل جاتا تو اس پر یقین کر لیتے ورنہ اس مسئلہ میں توقف اختیار کرتے یا جو دلیل راجح ہوتی اس پر عمل کرتے۔ دور نبویؐ، دور صحابہ رضی اللہ عنہ، دور تابعینؒ اور بعد کے ادوار میں فقہی اختلاف پر غور کرنے سے جو حقائق ہمارے سامنے آتے ہیں ان حقائق کی روشنی میں فقہاء کے اختلاف کے درج ذیل اسباب متعین ہوتے ہیں۔

اختلاف بہ سبب فہم نصوص اختلاف بہ سبب نوعیت نصوص اختلاف بہ سبب عدم نصوص

اختلاف بہ سبب فہم نصوص

اصولی طور پر نص کا اطلاق قرآن و سنت پر ہوتا ہے اور قرآن و سنت ہی شریعت کے بنیادی مصادر ہیں، صحابہ کرام، قرآن و حدیث کے اولین مخاطب اور صدق و امانت کے مجسم پیکر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن و حدیث کے فہم کا وافر حصہ ان کو عطا فرمایا تھا اور حجۃ الوداع کے موقع پر خاتم النبیین محمد ﷺ نے شریعت اسلامیہ کے بنیادی مصادر قرآن و حدیث کو کائنات کے انسانوں تک پہنچانے کا، ان سے عہد لیا تھا، اس لیے وہ قرآن پاک اور احادیث رسول میں غور و فکر کرتے تھے اور غور و فکر کے نتیجے میں جو مسائل مستنبط کرتے ان کے ذریعہ لوگوں کی رہنمائی کا

مقدس فریضہ انجام دیتے تھے۔ نصوص میں غور و فکر کے نتیجہ میں فقہاء کرامؒ میں فہم کا اختلاف ظہور پذیر ہونے لگا تھا۔ جن کے چند وجوہات ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔

لغت میں اختلاف

لغت عرب لغۃ القرآن الکریم اور لغۃ الحدیث النبوی ہے اور پھر عربی زبان دنیا کی سب سے بڑی فصیح و بلیغ ترین زبان ہے عربی زبان میں موؤل و مشترک، حقیقت و مجاز، عموم و خصوص، صریح و کنایہ وغیرہ اصطلاحات بکثرت استعمال ہوتے ہیں اسی بناء پر اجتہاد بھی مختلف ہو جاتا ہے۔

اختلاف کا سبب لفظ کا زائد معانی میں اشتراک کرنا بھی ہے۔ اگر منصوص حکم میں ایسا لفظ آجائے جو اہل عرب کے کلام میں دو معانی میں مستعمل تھا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہ نے اس لفظ کو ایک معنی میں لیا جبکہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہ نے اس لفظ کا دوسرا معنی اختیار کیا۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے: وَ الْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ25 اس آیت میں لفظ ''قروء'' مشترک ہے جو دو معنوں پر محمول کیا جا سکتا ہے: ایک حیض اور دوسرا طہر۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نزدیک ''قروء'' سے مراد حیض ہے، جبکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے طہر مراد لیا ہے۔ یوں ایک لفظ میں معانی کے اشتراک سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین اختلاف ہوتا رہتا تھا۔ چونکہ قرآن مجید اور سنت مطہرہ میں مختلف مقامات پر الفاظ کا بھی استعمال ہوا ہے تو یہ مشترک الفاظ فقہاء، صحابہ کرام اور دیگر علماء کرام کے درمیان بے شمار احکام و مسائل میں اختلافات کا سبب بنے۔ اختلاف اس بات میں ہوا کہ اس مشترک لفظ سے شارع کی کیا مراد ہے۔ چنانچہ مراد کے تعین میں اختلاف پیدا ہوا۔

لفظ کبھی دو طرح سے استعمال ہوتا ہے۔ ایک حقیقی دوسرا مجازی۔ اس لیے اس میں اختلاف ہو جاتا ہے کہ اس نص میں اس کا استعمال حقیقی ہے یا مجازی۔ کچھ فقہاء کرام تو سرے سے لفظ کے لیے مجازی معنی کے جواز کے ہی قائل نہیں جیسے ابو اسحاق اسفرائنی اور شیخ ابن تیمیہ۔ ان کا کہنا ہے کہ لفظ کی اصل وضع جس کے لیے ہوئی ہو اسے چھوڑ کر کوئی دوسری معنی مراد لینا بیانِ مقصود کے منافی ہے۔ لیکن جمہور فقہاء قرآنی الفاظ میں مجاز کے قائل ہیں۔ کلامِ شارع سمجھنے میں اسی لیے علماء کا اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسے عورت کو چھونے سے وضوء کے ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کا اختلاف ہے احناف یہ فرماتے ہیں کہ عورت کو چھونے سے وضوء نہیں ٹوٹتا لیکن شوافع فرماتے ہیں کہ عورت کو چھونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے، اختلاف کی اصل وجہ اس آیت مبارکہ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَیْدِیْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا26 میں وارد لفظ (لمس) ہے، شوافع یہ فرماتے ہیں کہ آیت میں لفظ (مَسّ) یعنی چھونے سے مراد لغوی معنی ہے یعنی صرف چھونا، لہذا عورت کو صرف چھونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے، احناف یہ فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ (مَسّ) سے لغوی حقیقت مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد (المباشرۃ الفاحشۃ) یعنی انتشار کے ساتھ دونوں کی شرمگاہوں کا ایک دوسرے کو چھونا مقصود ہے، لہذا عورت کو صرف چھونے سے وضوء

نہیں ٹوٹتا، ان دونوں مسائل میں دونوں طرف کے دلائل وقرائن کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔

یہ معروف قاعدہ ہے کہ صیغۂ افعل امر کے لیے اور لاتفعل نہی کے لیے ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ امر وجوب کے لیے اور مطلق نہی تحریم کے لیے ہے۔ دونوں کا یہی استعمال حقیقی ہے لیکن اپنے پہلے وضعی معنی کے علاوہ امر دوسرے معانی کے لیے بھی مستعمل ہے۔ مثلاً امر استحباب کے لیے بھی آتا ہے، ارشاد ورہنمائی کے لیے بھی آتا ہے اسی طرح تہدید کے لیے بھی اس کا استعمال عام سی بات ہے۔ اسی طرح نہی تحریم کے علاوہ دوسرے معانی جیسے کراہت وتحقیر کے بھی استعمال ہوتا ہے۔ کبھی کبھار ارشاد ورہنمائی کے لیے بھی آتا ہے۔ فقہاء کرام کے اجتہادات میں نصوص سے الفاظ کے معانی مراد لینے میں اختلاف کے سبب فہمِ نص میں بھی اختلاف سامنے آجاتا ہے۔ مثلاً[27]

قرآن حکیم میں بہت سی آیات میں ایک عام حکم دیا گیا ہوتا ہے اور دوسری جگہ قرآن میں سنت میں اس حکم کو تخصیص لگادی گئی ہوتی ہے۔ اس عام حکم کی تخصیص میں بھی فقہاء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ قرآن کے ذریعے قرآن کی تخصیص میں کسی طرح کا کوئی اختلاف نہیں اسی طرح امت کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ سنت متواترہ سے بھی قرآن کی تخصیص جائز ہے۔ البتہ خبر واحد سے قرآن کی تخصیص میں اختلاف ہے۔ آئمہ ثلاثہ سمیت موجودہ حنفی علماء اس بات کے قائل ہیں کہ خبر واحد کے ذریعے قرآن مجید کی کسی عام حکم کی تخصیص ہو سکتی ہے لیکن متقدمین حنفی آئمہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

فقہاء کے درمیان فروعی مسائل میں اختلافات کی ایک وجہ قرآن مجید کی ان قرأتوں کا اختلاف بھی ہے جو قرآن کریم کی قراتوں کا اختلاف حضور اکرم ﷺ سے ہم تک تواتر سے پہنچی ہیں۔ اس کی ایک مثال وضو میں پاؤں دھونے اور پاؤں پر مسح کرنے کے مسئلے میں اختلاف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ. اے ایمان والو! جب (تمہارا) نماز کیلئے کھڑے (ہونے کا ارادہ) ہو تو (وضو کے لئے) اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں (بھی) ٹخنوں سمیت (دھولو)۔[28]

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں لفظ أَرْجُلَكُمْ میں لام پر زبر پڑھنے کی قرات مشہور ہے، لام پر زبر پڑھنے سے أَرْجُلِ (پاؤں) کا عطف وُجُوهَ (چہرے) پر ہوگا اور چہرہ دھونے کا حکم ہے تو پاؤں بھی دھوئے جائیں گے۔ لیکن ایک قرات میں اسے أَرْجُلِكُمْ بھی پڑھا گیا ہے یعنی لام پر زیر کے ساتھ، لام پر زیر پڑھنے سے أَرْجُلِ (پاؤں) کا عطف بِرُءُوسِ (سر) پر ہوگا اور چونکہ سر کے مسح کا حکم ہے تو پاؤں پر بھی مسح کیا جائے گا۔ مشہور قرا میں سے ابن کثیر، عمر اور حمزہ لام کے نیچے کسرہ پڑھتے ہیں، ابن عامرؒ اور کسائی لفظ ارجلکم میں لام پر فتحہ پڑھتے ہیں۔ تو یہاں قرأت کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ جمہور علماء لام پر فتحہ کی قرأت اختیار کرتے ہیں اور زیر کی تاویل کرتے ہیں۔ اس لیے ان کے نزدیک پاؤں دھونا فرض ہے، مسح جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پاؤں دھونا اور موزوں پر مسح کرنا دونوں ثابت ہے۔ اس طرح قراتوں کے اختلاف کی وجہ سے احکام کی تعبیر میں اختلاف ہوا۔[29]

اختلاف بہ سبب نوعیت نصوص

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ محدثین کرام نے احادیث نبوی ﷺ کی تحقیق و جستجو اور ان کے ثبوت و استناد میں ہر طرح کی محنت کی لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ راوی کی تضعیف و توثیق کو بنیاد بنا کر احادیث کو صحیح و حسن اور ضعیف قرار دینا ایک اجتہادی معاملہ ہے۔ جس میں اختلاف کا پایا جانا طبعی امر ہے۔ اختلاف کا یہ سلسلہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان میں بھی ملتا ہے جن کی مثالیں اوپر بیان کی جاچکی ہیں یہی اختلاف پھر تابعین اور تبع تابعین تک منتقل ہوا۔ اس فقہی اختلاف میں حدیث کا کردار بنیادی اور اہم ہے۔ روایات کی بنیاد پر فقہاء کرام کے درمیان اختلافات کے اسباب اس لیے پیش آتے کہ بسا اوقات ایک حدیث کسی عالم کو پہونچتی ہے، جو دوسرے عالم تک نہیں پہنچی ہوتی۔ ایک حدیث کو کسی عالم نے وجوب پر محمول کیا تو کسی نے استحباب پر اور کسی نے اباحت پر، اس کی وجہ سے مسائل میں اختلاف ہونا ایک عام سی بات ہے۔ کبھی راوی کا نقلِ حدیث میں وہم بھی اختلاف کا سبب بنتا ہے، مثلاً کسی راوی نے حضور ﷺ کے زندگی کے اکیلے حج کو قران نقل کیا تو کسی نے تمتع اور کسی نے اِفراد۔

روایات میں اختلاف

فقہاء کے درمیان اختلاف صرف ان مسائل میں ہے جن میں روایات دونوں جانب ہوں، جیسے تکبیرات تشریق و عیدین کے مسئلہ میں اور اختلاف بھی محض ترجیح اور فضیلت میں ہوتا ہے، اس کا مقصد نہ آپسی اختلاف و نزاع ہے، نہ کسی متوازی مذہب و مسلک کی تاسیس۔ ائمہ فقہ کے ان اختلافات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی فقہ و قانون میں بحث و نظر کے نئے گوشے ابھر کر سامنے آئے اور اس میں ایسی وسعت اور لچک پیدا ہوئی کہ زمان و مکان کی تبدیلی، زندگی کی گردش اور تہذیب و تمدن کی کروٹ سے بالکل بے پرواہو کر وہ زمانہ کے ہر جدید تقاضے کی تکمیل کر سکتا ہے اور یہی صلاحیت کسی زندہ مذہب کے زندہ قانون و فقہ کی دلیل ہے اگر یہ اختلاف ائمہ اور اس سے پیدا ہونے والے فقہی نظائر کا ذخیرہ نہ ہوتا تو یہ بھی جمود و تعطل اور عسرت و تنگی کا شکار ہو جاتا؛ اسی لیے مجتہد فقیہ عمر بن عبد العزیز نے نہایت پر اعتماد لہجے میں فرمایا تھا: مَا أُحِبُّ أَنَّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَخْتَلِفُوا؛ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ قَوْلًا وَاحِدًا كَانَ النَّاسُ فِي ضِيقٍ وَإِنَّهُمْ أَئِمَّةٌ يُقْتَدَى بِهِمْ وَلَوْ أَخَذَ رَجُلٌ بِقَوْلِ أَحَدِهِمْ كَانَ فِي سَعَةٍ. ترجمہ: ''میں یہ قطعاً نہیں چاہتا کہ اصحابِ رسول اللہ ﷺ کے درمیان اختلاف ہی نہ ہو، اس لیے کہ اگر (کسی مسئلہ میں) اگر ایک ہی قول ہو تو لوگ تنگی میں پڑ جائیں گے، وہ سب ائمہ اور مقتدی ہیں اگر آدمی ان میں سے کسی ایک کے قول کو بھی اختیار کرے تو سہولت و گنجائش نکل آئے۔''[30]

صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احزاب کے موقعہ پر صحابہ اکرام رضی اللہ عنہ کا ایک دستہ بنو قریظہ کی طرف روانہ وقت فرمایا تھا: لا یصلین أحد العصر إلا في بني قريظة) بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے کوئی شخص نماز عصر ادا نہ کرے۔ جب راستے میں وقت کا نماز آگیا تو اختلاف پیدا ہوا کہ نماز قریظہ پہنچ کر پڑینگے کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قریظہ پہنچ کر نماز ادا کی جائے۔ اسلئے ہم نماز وہاں ادا کرینگے۔ اور دوسرے فریق نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یے تھا کہ آپ جلدی سے قریظہ پہنچ

جائے، اب چونکہ نماز راستے میں آگیا ہے تو یہاں پڑھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ تو یہاں ایک فریق نے ظاہری حدیث پر عمل کیا جب کہ دوسری فریق نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کیا۔ اور جب دونوں گروہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسلہ پیش کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو درست فرمایا۔ تو اس سے معلوم ہوا کسی فریق نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انحراف نہیں کیا۔ یہ اختلاف کی عمدہ مثال ہے۔[31]

سہو و نسیان

سہو اور نسیان بشری تقاضوں میں سے ہیں بعض اوقات سہو اور نسیان کے سبب بھی اختلاف سامنے آجاتا مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے نبی اکرم ﷺ نے چار عمرے کیے اور پہلا عمرہ رجب میں کیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمٰن (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ) پر رحم کرے، آپ ﷺ نے کوئی عمرہ بھی ایسا نہیں کیا جس میں ابو عبدالرحمٰن شریک نہ ہوئے ہو اور آپ ﷺ نے رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا۔ اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلا عمرہ ذولقعدہ میں کیا تھا۔[32]

حدیث کے ثبوت میں شبہ

جب اصحاب رسول ﷺ کے سامنے حضور اکرم ﷺ کی کوئی حدیث ذکر کی جاتی تو وہ اس کا ثبوت مانگتے، یہ نہیں تھا کہ بغیر ثبوت کے وہ فوراً عمل کے لیے دوڑ پڑتے ہوں کیونکہ حدیث بیان کرنے میں کسی غلطی یا وہم کا اندیشہ بھی ہو سکتا تھا۔ اگر حدیث کا ثبوت مل جاتا تو اس پر یقین کر لیتے اور عمل بھی کرتے ورنہ اس مسئلہ میں توقف اختیار کرتے یا جو دلیل راجح ہوتی اس پر عمل کرتے۔ یوں کے ثبوت میں اختلاف بھی آئمہ کے درمیان اختلاف کا سبب بنا۔

نص کے وصول و عدم وصول کی وجہ سے حکم میں اختلاف عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہ میں بھی موجود تھا۔ اس کی واضح مثال عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں پیش آنے والا واقعہ ہے جسے صحیح بخاری و صحیح مسلم نے روایت کیا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ شام کے لیے رختِ سفر باندھا۔ ابھی راستے میں ہی تھے کہ شام میں وبا پھیلنے کی خبر ملی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ طلب کیا۔ لوگوں نے مختلف آراء پیش کیں، بعض نے وہیں ٹھہر جانے، بعض نے واپس چلنے اور بعض نے شام جانے پر اصرار کیا۔ کچھ دیر بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے جو کسی کام کے لیے باہر گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے جب اختلاف کے بارے میں سنا تو فرمایا: ''ان عندی فی ھذا علماً: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اذا سمعتم بہ بارض فلا تقدموا علیہ، واذا وقع بارض وانتم بھا فلا تخرجوا فراراً منہ۔'' (اس کا مجھے کچھ علم ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جب تم کسی زمین میں وباء کی خبر سنو تو وہاں مت جاؤ اور کسی زمین میں وباء پھوٹ پڑے تو وہاں سے مت بھاگو۔''[33]

ربا الفضل کے جواز و عدم جواز کا اختلاف بھی عدم وصولِ نص کا نتیجہ تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہ میں سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن

عباس رضی اللہ عنہ ربا الفضل کے جواز کے قائل تھے لیکن جب انہوں نے حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سنی جس میں وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں: ''لا تبیعوا الذھب بالذھب الا مثلاً بمثل ولا تشفوا بعضھا علی بعض ولا تبیعوا الورق بالورق الا مثلا بمثل۔''(سونے کو سونے کے عوض برابر برابر ہی فروخت کرو اور کم زیادہ کر کے فروخت نہ کرو اور چاندی بھی چاندی کے عوض برابر برابر فروخت کرو، کم زیادہ کر کے فروخت نہ کرو۔) تو اپنے قول سے رجوع کر لیا۔34 اسی طرح (حدیث قلتین) اور (خیار مجلس) والی احادیث ہیں۔ آئمہ مجتہدین میں سے کوئی بھی ایسا امام نہیں ہے جس نے کسی نص صریح کا انکار کیا ہو البتہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آئمہ کو نصوص تو ملیں لیکن ایک کے نزدیک ثابت ہو گئی جبکہ دوسرے کے نزدیک ثابت نہ ہوئی۔

خبر واحد کی حجیت میں اختلاف

اخبار آحاد کو رد و قبول کے پہلو سے تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱: وہ روایات جن کا حق اور لائقِ قبول ہونا واضح ہے۔

۲: وہ روایات جن کا باطل ہونا واضح ہے۔

۳: تیسری وہ روایات جن کے حق یا باطل ہونے کا پہلو متعین نہ ہو رہا ہو۔

احناف کے نزدیک عموم بلویٰ کی شکل میں (یعنی جہاں ضرورت کی نوعیت کا تقاضا یہ ہو کہ روایت متعدد طریقوں سے آئے) اخبار احاد کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی، ایسے امور میں وہ بسا اوقات اجتہاد اور قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔

احناف کے یہاں بعض کتب اصول میں خبر واحد کے مقبول ہونے کے لیے یہ شرط بھی لگائی گئی ہے کہ اس کے رُواۃ مقبول ہوں، لیکن حضرت الامام کے مجتہدات پر غور کیا جائے تو اس کی تصدیق دشوار ہے، کیونکہ کتنے ہی مسائل ہیں جن میں حنفیہ نے ایسے راویوں کی روایت کو لیا ہے جو تفقہ میں معروف نہ تھے، ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر دو حدیثیں متعارض ہوں اور سند کے اعتبار سے دونوں ہی صحیح ہوں تو امام صاحب ایسی روایت کو ترجیح دیتے ہیں جن کو ''اصحاب فقہ راویوں'' نے نقل کیا ہے، اس کی بہترین مثال امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان دار الحناطین مکہ میں رفع یدین کے مسئلہ پر ہونے والا مناقشہ ہے، جس میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے راویوں کے تفقہ کو ملحوظ رکھ کر ''حماد عن ابراہیم عن علقمہ و اسود عن عبد اللہ بن مسعود'' کی سند کو ''زہری عن سالم عن عبد اللہ بن عمر'' پر ترجیح دی اور واسطوں کے کم ہونے کے مقابلہ میں، راوی کے تفقہ کو آپ نے زیادہ اہم سمجھا۔

مرسل حدیث کی حجیت میں اختلاف

اس بات پر تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ مرسل الصحابی مطلقاً قبول ہے، جہاں تک قرن ثانی (تابعی) کی مراسیل اور قرن ثالث (تبع تابعی) کی مراسیل احادیث کا تعلق ہے تو وہ علماء احناف کے نزدیک حجت ہیں۔ جبکہ امام شافعیؒ صرف اسی مرسل کو حجت تسلیم کرتے ہیں جس میں مندرجہ ذیل شرائط موجود ہوں:

ا: جس کی تائید کسی قرآنی آیت یا سنتِ مشہورہ سے ہو یا جس پر سلف کا عمل مشہور ہو۔

۲: کسی دوسرے راوی نے بھی اس کو مرسلاً روایت کیا ہو جبکہ دونوں راویوں کے شیوخ مختلف ہوں۔

۳: اس روایت کی تائید میں کسی صحابی کا قول موجود ہوں۔

۴: اس روایت کی تائید علماء کی ایک کثیر تعداد کرتی ہوں۔

۵: یہ معلوم ہو جائے کہ یہ روایت کسی عادل راوی سے ہی مرسلاً روایت کی گئی ہے۔35

باہم متعارض احادیث میں تطبیق، ترجیح یا تنسیخ کے فیصلہ میں اختلاف

فقہاء کے درمیان فقہی مسائل کے اختلاف کا ایک بڑا اور اہم سبب تعارض ادلہ ہے۔ ایک حدیث ایک فقیہ کے نزدیک منسوخ ہوتی ہے تو دوسرے فقیہ کے نزدیک غیر منسوخ، پھر اصول درایت کے لحاظ اگر ایک حدیث عقل کے خلاف ہے تو پھر اس کی تطبیق میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ حدیث عقل کے خلاف ہے یا نہیں یا اس طرح اگر کوئی حدیث قرآن کے خلاف ہو تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا لیکن یہ بات خود محل اختلاف ہے کہ وہ حدیث قرآن کے خلاف ہے کہ نہیں۔ اسی طرح حدیث اگر سنت مشہورہ کے خلاف ہو تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ وہ حدیث یا تو منسوخ ہے یا موؤل ہے یا ثابت نہیں ہے لیکن وہ حدیث سنت مشہورہ کے خلاف ہے یا نہیں اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر حدیث اجماع کے خلاف ہو تو وہ حدیث قابل عمل نہ ہو گی لیکن خود انعقاد اجماع کے سلسلہ میں آئمہ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ کونسا مسئلہ مجمع علیہ ہے کونسا نہیں۔ اسی طرح حدیث اگر شاذ ہو تو قابل عمل نہ ہو گا لیکن وہ حدیث شاذ ہے یا نہیں اس میں آئمہ کرام کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً امام ابو حنیفہؒ نے رفع یدین کے مسئلہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اور امام اوزاعیؒ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو ترجیح دی۔ امام ابو حنیفہ نے فقیہ راویوں پر مشتمل سند کو زیادہ اہمیت دی، امام اوزاعیؒ نے کم واسطہ والی سند کو مقدم رکھا۔ باہم متعارض احادیث کے متعلق ابن سلمہ کا قول اس اختلاف میں ترجیح یا تنسیخ کے بارے خاصہ مفید ثابت ہو گا جسے ابن المنذر نے اوسط میں نقل کیا ہے:

"جب تمہارے پاس دو حدیثیں ایسی آجائیں جن سے دو مختلف حکم ثابت ہیں یعنی ایک پر عمل کرو تو دوسری پر عمل نہیں ہو سکتا اور دوسری کو اختیار کیا جائے تو پہلی پر عمل ممکن نہیں رہتا اور تمھیں ناسخ اور منسوخ کا علم نہیں اور نہ تقدیم اور تاخیر کا علم ہے کہ پہلے کا زمانہ کونسا ہے اور دوسری کا کونسا؟ اس لیے کہ اگر زمانے کا علم ہو تو بعد کے زمانے والی حدیث پہلی حدیث کو منسوخ کر دیتی ہے تو تم ان تفصیلات سے لاعلمی کی وجہ سے یوں سمجھو کہ تمھارے پاس کوئی حدیث پہنچی ہی نہیں، اس لیے کہ محض اپنی رائے سے تو ایک حدیث کو دوسری پر بدون قرائن اور دلیل ترجیح کے فوقیت نہیں دے سکتے تو کسی پر بھی عمل نہیں کر سکتے، بس یہی فرض کر لو کہ تم کو کچھ پہنچا ہی نہیں۔"36

اور امام ابو داؤدؒ اپنی سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں: "جب حضور ﷺ کی دو حدیثوں میں تنازع ہو تو اس حدیث کو دیکھا جائے گا جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عمل کے لیے اختیار کیا،"37

وہ حدیث جس کا راوی اپنی روایت پر عامل نہ ہو:

وہ روایت جس کے رواۃ میں سے کوئی راوی (خصوصاً صحابی یا تابعی) اپنی روایت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے یا اس کا عمل اس کے مخالف ہو تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس پر عمل نہیں کیا جائے گا جبکہ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس پر عمل کیا جائے گا۔ اس کی مثال حدیث: القضاء بالشاھد والیمین[38] ہے جسے ربیعہ نے سہیل بن ابو صالح سے روایت کیا ہے۔ سہیل سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ ربیعہ آپ سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں تو سہیل نے اس روایت کو تسلیم نہیں کیا۔ اگرچہ ربیعہ اصحابِ حدیث کے نزدیک ثقہ راوی ہیں۔[39] اس روایت پر امام شافعیؒ نے عمل کیا مگر احناف نے عمل نہ کیا۔

اسی طرح حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کہ: ''ایما امرءۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل۔'' جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے۔[40] مذکورہ حدیث کے راویوں میں ابن شہاب زہری بھی ہیں مگر جب ان سے اس حدیث کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فتویٰ و عمل اس کے خلاف تھا۔ راوی کے انکار کی بناء پر امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے اس کو قابلِ استدلال قرار نہیں دیا، جبکہ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ نے راوی کے انکار کے باوجود اس حدیث کو حجت مانا۔[41]

اختلاف بہ سبب عدم نصوص

صحابہ کے دور سے علمائے کرام نے قرآن و سنت کو سینہ بہ سینہ آگے منتقل کر کے اپنی حفاظت دین کی ذمے داری کو ادا کیا ۔ نصوص شرعی کو آگے منتقل کرنا کافی نہ تھا بلکہ اس سے اہم تر کام یہ تھا کہ گنتی کے اعتبار سے محدود اور پس منظر کے اعتبار سے مخصوص، نصوص کو نئی پیش آیندہ احوال پر منطبق کرتے ہوئے لوگوں کو حکم شرعی بتایا جائے۔ یہی وہ اجتہاد ہے جس کا نہ صرف دروازہ نبی کریم ﷺ نے کھولا تھا بلکہ ایک خاص انداز میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گویا اس کی تربیت بھی دی تھی

جب ریاست اسلامی میں وسعت پیدا ہونے کی وجہ سے اجتہاد کی ضرورت میں اضافہ ہوا تو تابعین و تبع تابعین میں سے کئی ایک مجتہدین نے اس میدان میں عمریں صرف کیں ، جنھیں امت نے ائمہ کرام کا لقب دیا۔ ائمہ کرام نے جب اجتہاد کیا تو بعض فروعی مسائل میں ان کے ہاں اختلاف بھی ہوا۔ یہی وہ اختلاف ہے جسے بعض روایات میں امت کے لیے باعث رحمت قرار دیا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے لوگوں کے لیے مختلف حالات میں عمل کرنے کے لیے آسانی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرام کے دور میں اس کی کئی ایک مثالیں ملتی ہیں، مثلاً: بنو قریظہ کا مشہور واقعہ جب صحابہ کرام کو حضور ﷺ نے وہاں پہنچ کر نمازِ عصر کی ادائیگی کا کہا تھا، راستہ میں جب نماز قضا ہونے کا خدشہ ہوا تو بعض نے اصل علت کو سامنے رکھ کر راستے ہی نماز پڑھ لی اور بعض نے ظاہری الفاظ کو دیکھتے ہوئے نماز قضا ہو جانے دی اور وہاں پہنچ کر ہی نماز ادا کی۔ بعد میں جب حضور ﷺ سے پوچھا گیا تو دونوں کی تصویب فرمائی۔ اس طرح کے واقعات سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ علماء کی آرا کے اختلاف کو نزاع کا باعث بنانا درست نہیں، بلکہ اس اختلاف میں بھی امت کے لیے سہولت کے دروازے کھلتے ہیں۔

اس کی مثال یہ بھی ہے کہ بنو نضیر کے محاصرے کے وقت صحابہ میں کھجوروں کے درخت کاٹنے پر اختلاف ہوا۔ بعض نے کہا کہ یہ

مسلمانوں کے لیے مال غنیمت ثابت ہوں گی اس لیے ان کا کاٹنا درست نہ ہو گا جب کہ بعض نے جنگی حکمت عملی کے طور پر ان درختوں کا کاٹنا زیادہ اہم سمجھا۔ پھر جب قرآن کریم کی اس بابت آیات نازل ہوئیں تو دونوں طریقوں کو درست قرار دیا: ﴿مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ﴾42 "جو تم نے کھجور کا تنا کاٹا اور جسے تم نے اس کی جڑوں پہ رہنے دیا تو یہ اللہ کے اذن ہی سے تھا"۔ اس سے معلوم ہوا کہ اجتہاد کے نتیجے میں اختلاف کا ہو جانا فطری امر ہے۔

فقہی آرا میں فقہاء کے درمیان اختلاف کی تیسری بنیادی وجہ نصوص کی عدم دستیابی ہے۔ قرآن و سنت میں کسی مسئلہ کا قطعی حکم موجود نہ ہونے کی صورت میں قیاس و اجتہاد کی ضرورت پیش آئی جسے بنیادی طور پر تمام فقہاء و مجتہدین نے تسلیم کیا۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ پیش آمدہ مسائل لامحدود ہیں اور نصوص محدود ہیں اس لیے لامحالہ استنباط اور اجتہاد کی ضرورت پیش آئے گی اور جب مسئلہ استنباط و اجتہاد کا ہو تو احکام میں اختلاف اس کا لازمی نتیجہ ہے. چونکہ یہ ثابت شدہ بات ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے تھے تو اس وقت بھی کچھ ایسے مسائل تھے جن کی صراحت کتاب و سنت میں موجود نہیں تھی، حالات اور ضروریات ہر دور اور ہر زمانہ میں تغیر پذیر ہوتے ہیں، حالات و واقعات کے مطابق اجتہاد بھی وقوع پذیر ہوتا ہے اور اجتہادی عمل کی وجہ سے اختلافِ رائے میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے دور سے لے کر اب تک یہ اختلاف چلا آرہا ہے اور رہتی دنیا تک چلتا رہے گا۔ اسی لیے امام شافعیؒ کا یہ مشہور قول ہے: "اگر کوئی مسئلہ کسی مسلمان کو درپیش ہو تو اگر اس کا حکم شریعت میں صراحتاً یا دلالۃً موجود ہو تو اس کو اس کی اتباع کرنی چاہیے اور اگر ایسا نہ ہو تو اسے اجتہاد کے ذریعہ حق بات معلوم کرنی چاہیے۔43

اللہ تعالیٰ نے انسان کو گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا ہے اور اس کے اندر تعقل و تفکر اور حالات و واقعات سے نتیجہ اخذ کرنے کی صلاحیت ودیعت فرمائی ہے اور شریعت نے بھی انسان کو اسی کا مکلف بنایا ہے اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ فقہاء اسلام کی مختلف آراء دراصل دلائل کی روشنی میں شریعت محمدیہ کی توضیح و تشریح ہیں۔ اس لیے یہ اختلاف حق و باطل کا اختلاف نہیں بلکہ حزم و احتیاط کے ساتھ فہم و استنباط کا اختلاف ہے۔

بعض مصادر التشریع ودلائل کی تعیین میں اختلاف

جب کسی مسئلہ میں کتاب اللہ یا حدیث رسول اللہ ﷺ سے کوئی واضح دلیل موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں آئمہ مجتہدین کے مابین اختلاف واقع ہو جاتا ہے جیسے استحسان، مصالح مرسلہ، قول الصحابی، عمل اھل المدینہ، وغیرہ۔ ان میں سے بعض کو بعض آئمہ مجتہدین حجت و دلیل مانتے ہیں اور بعض نہیں مانتے۔ چنانچہ فقہ حنفی کے اصول اجتہاد میں قرآن، سنت، اجماع اور قیاس شامل ہیں اس کے ساتھ ساتھ استحسان، مراسیل صحابہ وتابعین، حیل شریعہ اور عرف شامل ہیں۔ فقہ حنفی کے اصولی امتیازات میں خبر واحد کی حجیت میں سخت شرائط کا لگانا، قیاس میں وسعت، استحسان کا کثرت سے استعمال شامل ہیں۔ اسی طرح فقہ مالکی کے اصول اجتہاد میں قرآن، سنت، اجماع، عمل اہل مدینہ، قیاس، قول صحابی، مصالح مرسلہ، سد ذرائع، عرف اور استصحاب الحال شامل ہیں۔ فقہ مالکی کے اصولی امتیازات میں عمل اہل مدینہ کا حجت ماننا، اجماع اہل

مدینہ کا حجت ماننا، مصالح مرسلہ کا کثرت سے استعمال کرنا، سد ذرائع سے زیادہ استفادہ کرنا اور قیاس، اخبار کے درمیان کسی بھی قسم کے تعارض میں اخبار کو مقدم کرنا اور قیاس اور عادات سے عموم قرآنی کی تخصیص کو جائز سمجھنا ہے۔ اس کے علاوہ فقہ شافعی کے ادلہ اجتہاد میں قرآن، سنت، اجماع اور قیاس شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ قول صحابی اور استصحاب کو بھی حجت تسلیم کیا جاتا ہے ان کے اصولی امتیازات میں استحسان کی شدید مخالفت اور مصالح مرسلہ کی حجت کو تسلیم نہ کرنا شامل ہیں۔ جبکہ فقہ حنبلی کی اجتہاد کے اصولوں میں ان کی پانچ اصلیں معروف ہیں۔ ا۔ نصوص قرآن و سنت دونوں اس میں داخل ہیں۔ ۲۔ فتاویٰ صحابہ۔ ۳۔ فتاویٰ صحابہ میں اختلاف کی صورت میں کس کو ترجیح دی جائے گی۔ ۴۔ حدیث مرسل، ۵۔ قیاس حنبلی علماء نے اس میں اجماع کا اضافہ کیا ہے۔ فقہ حنبلی کے امتیازات میں قرآن و سنت کا ایک ہی مرتبے میں ہونا، حدیث ضعیف پر عمل کرنا، مرسل اور ضعیف کا قیاس پر مقدم ہونا شامل ہیں۔44

مذاہب اربعہ کے مختلف فیہا مسائل کے مابین تطبیق کا اسلوب

حقیقت یہ ہے کہ آئمہ اربعہ نے کبھی بھی مسلمانوں پر اپنی اتباع کو لازم نہیں قرار دیا۔ ان سب کا کہنا تھا کہ اگر ہماری کسی اجتہادی رائے کے خلاف کوئی حدیث مل جائے تو اسے اختیار کر لینا اور ہماری رائے اور فتوے کو چھوڑ دینا۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے: ''جو شخص میرے کلام کی دلیل سے واقف نہیں اسے میرے کلام سے فتویٰ دینا بھی جائز نہیں۔ اگر کوئی فقیہ مجھ سے بہتر رائے دے تو وہ پیروی کے زیادہ لائق ہے۔''45 اسی طرح امام مالکؒ کا ارشاد ہے: ''رسول اللہ ﷺ کے علاوہ ہر شخص اپنے کلام کا جواب دہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کے سوا ہر ایک کی بات رد کی جاسکتی ہے۔''46 امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے حوالے سے نقل کیا جاتا ہے کہ: ''ہماری کسی اجتہادی رائے کو حدیث کے خلاف دیکھو تو حدیث پر عمل کرو اور ہماری رائے کو دیوار پر دے مارو۔''47

آئمہ کرام کے منع کرنے کے باوجود آنے والی نسلوں نے انہی مسالک کی تقلید کا التزام کیا جو اپنے دامن میں کچھ نقصانات بھی سمیٹ لایا، جس کے باعث آنے والی نسلوں نے امورِ دینیہ میں غور و خوض ترک کر کے علماء کرام کے اقوال پر ہی اکتفاء کر لیا۔ گویا قرآن و سنت پر براہ راست تدبر کا دروازہ چوتھی صدی ہجری کے بعد تقریباً بند ہو چکا ہے۔ اب قیامت تک کوئی اسے حقیقی معنوں میں کھولنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ خود امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے؛ ''لا تقنعوا بالتقلید، فان ذالک عمی فی البصیرۃ۔ تقلید پر بھروسہ مت کرو، تقلید تو بصیرت کو اندھا کر دیتی ہے۔''48

تقلید کے ضمن میں امت مسلمہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک گروہ نے تقلید کو لازم قرار دیا جبکہ دوسرے نے تقلید کو بدعت قرار دیا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب ''عقد الجید'' میں دونوں گروہوں کے افکار اور دلائل پر تفصیلی بحث کی ہے اور آخر میں ان دونوں کے بیچ تطبیق کی ایک راہ نکالنے کی کوشش کی ہے، تقلید کے حدود متعین کر کے ایک فیصلہ کن نتیجہ اخذ کیا ہے وہ لکھتے ہیں: ''اگر ہم فقہاء میں سے کسی ایک فقیہ کی تقلید کرتے ہیں تو یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ یہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کا عالم ہے۔ اس کی رائے اور فتویٰ قرآن و سنت کے کسی واضح حکم اور نص کے مطابق ہو گا، یا ان دونوں کے کسی نص سے، یا دونوں میں سے کسی ایک نص سے مستنبط ہو گا، یا اس عالم

نے قرآن و سنت میں موجود قرائن سے کوئی حکم معلوم کیا ہوگا کہ یہ حکم فلاں صورت میں فلاں علت کی وجہ سے ہے اور اس کو اپنی ساری کوشش اور معرفت پر اطمینانِ قلب حاصل ہوا ہوگا۔ اس بنیاد پر اس نے غیر نصوص کو منصوص پر قیاس کیا۔۔۔ لیکن اس کا یہ طریق کار شک و شبہ سے خالی نہیں۔49

لیکن دوسری طرف وہ تقلیدِ شخصی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''اب اگر ہمیں اس امام کے مسلک کے خلاف صحیح سند سے کوئی حدیث ملی اور ہم نے حدیث کو چھوڑ کر امام اور مجتہد کی رائے اور مسلک کو ترجیح دی اور اس پر جمے رہے تو ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ کیونکہ حدیثِ رسول ﷺ کی پیروی ہم پر فرض ہے۔ جب کہ کسی مجتہد اور امام کی اطاعت فرض نہیں ہے۔ اگر ہم اللہ کے رسولؐ کی سنت چھوڑ کر کسی امام، فقیہ یا مجتہد کے اقوال و آراء کی پیروی کریں گے تو اس روز کیا عذر ہوگا جب اللہ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے اور وہاں صرف اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کے بارے میں سوال ہوگا۔''50

عقائد اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر سب فقہاء متفق ہیں۔ سب فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ احکام شرعیہ کا بنیادی ماخذ قرآن و سنت ہے۔ اور فقہاء جس فروعی مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں- اس میں ایک فقیہ دوسری فقیہ کو کافر نہیں قرار دے تھے۔ بلکہ یہ فیصلہ مسلمانوں پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ دونوں رائے میں جس پر عمل کرتے ہیں وہ لیں اور جس کو چاہیں قبول کریں۔۔ تبع تابعین کے دور کے بعد کئی مجتہدین منظر عام پر آئے جنہوں نے ہر اختلافی مسئلے میں اپنے امام کے مسلک پر عمل کو لازم قرار دیا۔ یہ طریقہ کار فقہ میں ''تقلید'' کے نام سے مشہور ہوا۔ چنانچہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تمام مسالک اپنا دم توڑتے گئے اور صرف چار مسالک ہی تقلید کے لیے رہ گئے۔ ان اجتہادی اختلافات اور متعدد مسالک کے وجود نے مسلمانوں میں کسی حد تک انتشار پیدا کر دیا۔ تقلید کے باعث ایک دوسرے کے مسالک کے حامیوں کے مابین رقابتوں کا سلسلہ چل نکلا اور جلد ہی ان رقابتوں نے عوامی مناظروں کی صورت اختیار کر لی۔ نتیجہ ایک مسلک کے علماء کا دوسرے مسالک پر حملوں کی شکل میں سامنے آیا۔ مذاہب اربعہ کے آئمہ کے مابین نقطہ ہائے نظر کے اختلاف کے باوجود باہمی رواداری، اپنی ہی رائے پر عدم اصرار اور ایک دوسرے کا احترام ایک بین حقیقت ہے لیکن مرور زمانہ کے ساتھ ان مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان اختلاف کی خلیج وسیع ہوتی گئی اور یہ علمی اختلاف، خلاف و مخالفت کی حیثیت اختیار کرتا گیا اب تو عصر حاضر میں اختلاف رائے کے بجائے مخالفت اور تعصب کی فضا عام ہو گئی ہے۔ جزوی اور فروعی احکام میں مجتہدین اور آئمہ کا یہ اختلاف اتنی شدت اختیار کرنے لگا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک مسلک کا حامی دیگر مسالک کو یکسر غلط قرار دینے لگا مختلف مسالکِ فقہ کے حوالے سے کئی طرح کی غلط فہمیاں در آئیں۔ یہی روش ہے جس نے ہمیں نئی چیزیں سیکھنے، نئے کلچرز کا مطالعہ کرنے سے روک رکھا ہے۔ بعض دفعہ تو اپنے استادوں کی طرف سے ایک نوجوان کو یہ بھی سننے کو ملتا ہے کہ اپنے مخصوص فکر یا مسلک کے علاوہ کسی کا مطالعہ کرنا یا دلائل سننا اخلاقی جرم ہے کیونکہ فلاں فلاں طبقے کے پاس عجیب عجیب دلائل ہیں جس سے ان کا دماغ بھی بھٹک سکتا ہے۔

سمجھنے کی بات ہے کہ جب ہم معاشرے میں اپنے بچوں کے اذہان کو اس قدر مقید کر دیتے ہیں تب ان کی سوچ میں صرف جذباتیت ہی پروان

چڑھتی ہے اور ان کے اندر تجزیہ کرنے کی حس تقریباً ختم ہو جاتی ہے۔اور وہ اپنے مخصوص خول میں اس قدر بند ہو جاتے ہیں کہ پھر کسی دوسرے خیال یا فکر کے آدمی کو بطورِ انسان بھی قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے اور نتیجہ تکفیری فتووں کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ یہ اختلاف تا قیامت رہے گا اور نئے حالات سے ہم آہنگ رہنے کے لیے ان اختلافات کا باقی رہنا وقت کی اہم ضرورت بھی ہے اسی لیے برصغیر کے مشہور عالم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی اپنے ایک رسالہ ''وحدتِ امت'' میں لکھتے ہیں کہ اگر کسی کے دل میں یہ خواہش پیدا کہ یہ نظریات کے اختلافات مٹ جائیں، تو یہ تمنا کبھی پوری نہیں ہو سکتی، وجہ اس کی یہ ہے کہ نظریاتی اختلاف کا مٹ جانا دو ہی صورتوں میں ممکن ہے، یا تو سب بے عقل ہو جائیں، یا بد دیانت۔51

وطن عزیز میں مسلکی تعصب کی یک بڑی وجہ فقہی مسائل میں وسعت و آسانی، نرمی اور مختلف نقطہ ہائے نظر ہونا ہے۔اس لیے معاشرے میں مشہور فروعی واختلافی مسائل کی طرح دیگر موضوعات پر روایتی محافل، جلسوں اور کانفرنسوں کی طرح ٹھوس قسم کی علمی و فکری محافل کا انعقاد ضروری ہے۔ جس میں تمام مکاتبِ فکر کے محقق علماء گفتگو فرمائیں۔اور جہاں آئمہ مجتہدین کے درمیان جائز و ناجائز کا اختلاف ہے وہاں اس اختلاف کو خالص علمی حدود میں ہی رکھنا ضروری ہے، ان اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کی عیب جوئی، بدگمانی اور بدزبانی کسی بھی بانی مسلک کے لیے مناسب نہیں اور یہ چیز نہ ہی خود آئمہ مجتہدین کے ذاتی طرزِ عمل کے مطابق ہے

مذاہب اربعہ کے مابین تطبیق یا انتہائی مشکل امور میں تلفیق کا کام سرانجام دینا آج کے دور میں بے حد ضروری ہے۔ کسی ایک امام مجتہد کی رائے کے بجائے مختلف ائمہ مجتہدین کی آراء پر عمل کرنے کو تلفیق کہتے ہیں۔ تلفیق کے لیے دائرہ کار بھی وہی ہے جو تقلید کے لیے ہے، یعنی اجتہادی ظنی مسائل۔اس کے برعکس ایسے مسائل جو ضروریات دین سے تعلق رکھتے ہیں، جن پر مسلمانوں کا اتفاق اور ان کا منکر کافر ہوتا ہے تو ایسے مسائل کے بارے میں تقلید اور تلفیق دونوں درست نہیں۔اسی طرح وہ تلفیق جو حرام چیزوں کے حلال کرنے کا سبب بنے وہ بھی درست نہیں۔ مثلاً نشہ آور نبیذ اور زنا جیسے محرمات وہ تلفیق ناجائز ہے۔اسی طرح وہ تلفیق بھی ناجائز ہے جو لوگوں کے حقوق کے پامالی کا یا لوگوں کو ضرر اور نقصان پہنچانے کا سبب بنے کیونکہ اسلام میں ضرر دینے اور ضرر پانے کی اجازت نہیں شاہ ولی اللہؒ بیان کرتے ہیں:

''میں ایک فقہی مسلک کو چھوڑ کر دوسرے پر عمل کرنے کے جواز میں یہ شرط لگاتا ہوں کہ اس عمل سے عدالت کا کوئی فیصلہ نہ متاثر ہوتا ہو، خواہ عدالتی فیصلے کا متاثر ہونا دو ایسی باتوں کے جمع ہونے کی وجہ سے ہو جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ صحیح ہو جیسے بغیر گواہوں کے نکاح (ایک امام کے نزدیک) اور بغیر اعلان کے (دوسرے امام کے نزدیک) یا کسی اور وجہ سے عدالتی فیصلہ متاثر ہو۔۔۔اور دوسرے فقہی مذہب پر عمل کرنے میں یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی ضروری ہے کہ ایسا کرنے سے کسی دوسرے کا حق پامال نہ ہوتا ہو۔52 .

تلفیق کی حرمت کی کوئی دلیل نہیں ہے نیز اسے حرام قرار دینے کا مطلب یہ ہو گا کہ ایک امام مجتہد کی تقلید واجب ہے جبکہ اس کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے اور آئمہ کرام کو درجہ نبوت پر فائز کرنا درست نہیں البتہ تلفیق پر جو اعتراض درست معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ اس سے اتباع ھوی کا دروازہ کھلتا ہے اور اسی پہلو سے علامہ شاطبیؒ نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

اس سلسلے میں اب تک کی مناسب رائے یہ ہے کہا گر کوئی شخص اپنے لئے، اپنے اعزا واحباب کے لئے یا بااثر افراد کے لئے سہولت اختیار کرنے کو ترجیح دیتا ہے اور عوام کو مختلف! مسئلہ بتاتا ہے تو یہ بلاشبہ اتباع ھوی ہے لیکن اگر ساری امت مسلمہ کے لیے کوئی ایک ہی فقہی رائے جس میں آسانی ہو اختیار کرتا ہے، خود بھی اسی پر عمل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی وہی بتاتا ہے تو یہ اتباع ھوی نہیں بلکہ تیسیر، عدم حرج اور قلت تکلیف ہے جو شرعا مطلوب ہے۔

حوالہ جات

۱۔ الجرجانی، علامہ، علی بن محمد، ''معجم التعریفات''، دار الفضیلہ، قاہرہ، س ن، حرف خاء، رقم المصطلح: ۸۲۶، رقم الصفحہ: ۸۹

۲۔ الآمدی، سیف الدین، الاحکام فی اصول الاحکام، مطبع المعارف بشارع الفجالہ، مصر، جلد ۴، ص ۱۶۹

۳۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف۔ اردو ترجمہ:۔ ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ، علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف، لاہور، ص ۱۹۔ ۲۰

۴۔ سورۃ توبہ ۹: ۴۳

۵۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الصید، رقم الحدیث: ۷۲۸۸

۶۔ شاذ، علامہ، راشد، ''ادراک زوال امت''، مطبع گلوریس پرنٹرس، دریا گنج، نئی دہلی، ط چہارم ۲۰۱۸ء، ص ۳۷۰۔ ۳۷۱

۷۔ محولہ بالا دہلوی، شاہ ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، ص ۴۴

۸۔ بغدادی، ابی بکر احمد بن علی الخطیب، تاریخ بغداد۔ مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ، جلد ۱۳، ص ۳۲۵

۹۔ محولہ بالا دہلوی، شاہ ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف۔، ص ۳۰

۱۰۔ محولہ بالا۔

۱۱۔ فہیم اختر ندوی، فقہی اختلاف اور شاہ ولی اللہ کا موقف (مقدمہ سیف اللہ رحمانی)، نیو دہلی: اسلامک بک فاونڈیشن ۲۰۰۳ء، ص ۲۶

۱۲۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب مواقیت الصلوۃ، رقم الحدیث: ۵۸۱

۱۳۔ القشیری، مسلم بن حجاج، ''صحیح مسلم''، کتاب الصلوۃ، باب المسافرین وقصرہا، رقم الحدیث ۸۳۳

۱۴۔ محولہ بالا، رقم الحدیث: ۲۱۱۶

۱۵۔ محولہ بالا، رقم الحدیث: ۳۴۷

۱۶۔ قلعہ جی، ڈاکٹر، رواس، فقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اردو ترجمہ: ساجد الرحمن صدیقی، ادارہ معارف اسلامی، منصورہ لاہور، مادہ رضاع نمبر ۲۔،

۱۷۔ محولہ بالا۔

۱۸۔ محولہ بالہ قلعہ جی، ڈاکٹر، رواس، فقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، زکوۃ نمبر ۴، جزب، جز ۳

۱۹۔ محولہ بالا قلعہ جی، ڈاکٹر، رواس، فقہ موسوعہ ابن عمر رضی اللہ عنہ، حلی نمبر ۳

۲۰۔ محولہ بالا قلعہ جی، ڈاکٹر، رواس، فقہ حضرت عمر، مادہ صلوۃ نمبر ۱۴، جزالف

۲۱۔ محولہ بالاہ صلوۃ نمبر ۹، جزب۔

۲۲۔ محولہ بالا۔ مادہ خلع نمبر ۳

۲۳۔ محولہ بالا،، مادہ خلع نمبر ۴، جزب

۲۴۔ احمد بن حنبل، ''مسند احمد''، دار الحدیث قاہرہ، س ن، رقم الحدیث: ۷۶۸۶

۲۵۔ سورۃ بقرہ ۲: ۲۲۸

۲۶۔ سورۃ نساء ۴: ۴۳

۲۷۔ اصلاحی، امین احسن، ''اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل''، فاران فاونڈیشن، لاہور، ص ۳۵

۲۸۔ سورۃ مائدہ ۵: ۶

۲۹۔ حبیب الرحمان، ڈاکٹر، ''فقہی اختلافات، اسباب اور آداب وضوابط، شریعہ اکیڈمی، اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۱۳، ص ۱۹۔۲۱

۳۰۔ صدیقی، میاں محمد، ''اختلاف فقہاء، اسباب وعلل''، فکر ونظر، اسلام آباد، ۳۰ اپریل، جون ۱۹۹۳ء، ص ۱۸

۳۱۔ البخاری،

۳۲۔ احمد بن حنبل، ''مسند احمد''، رقم الحدیث: ۱۳۸۶۷

۳۳۔ السجستانی، ابی داؤد، سلیمان بن اشعث، ''سنن ابی داؤد''، باب الخروج من الطاعون، رقم الحدیث: ۳۱۰۳

۳۴۔ نسائی، احمد بن شعیب، ''سنن نسائی''، باب الذھب بالذھب، رقم الحدیث: ۴۵۷۴

۳۵۔ زیدان، عبد الکریم، ''الوجیز فی اصول الفقہ''، اردو ترجمہ: ھیئۃ العلماء، مکتبہ رحمانیہ، لٹل سٹار پرنٹرز، لاہور، س ن، ص ۴۸۵

۳۶۔ رحمانی، سیف اللہ، مولانا، علماء و قائدین کے لیے اعتدال کی ضرورت''، دار الاشاعت، کراچی، ۲۰۱۷ء، ص ۲۳

۳۷۔ السجستانی، ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، ''سنن ابی داؤد''، رقم الحدیث: ۴۱۱

۳۸۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین، ''سنن الکبریٰ، کتاب الشہادات، باب القضاء بالیمین مع الشاھد، مجلس دائرہ المعارف، حیدر آباد، ۱۳۴۴ء، رقم الحدیث: ۲۱۱۵۳

۳۹۔ بغدادی، ابی بکر احمد بن علی الخطیب، تاریخ بغداد۔ مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ، جلد ۱۱، ص ۵۲۵

۴۰۔ الترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن سورۃ، ''الجامع الصحیح''، کتاب النکاح، باب ماجاء لا نکاح الا بولی، رقم الحدیث: ۳۰۷

۴۱۔ ابن رشد، ''بدایۃ المجتہد''، طبع بمصر، ۱۳۷۹ء، کتاب النکاح، ص ۲۴

۴۲۔ ابن عبد البر، ''جامع بیان العلم وفضلہ، مکتبہ منیریہ، مصر، جلد ۳، ص ۱۳۷

۴۳۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، عقد الجید فی احکام الجتہاد والتقلید۔ اردو ترجمہ: ڈاکٹر میاں محمد صدیقی: شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ص ۱۱۱

۴۴۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ط ۲: ۱۹۹۲ء، دار احیاء العلوم، بیروت، لبنان، جلد ۱، ص ۴۵۷

۴۵۔ کاندھلوی، محمد علی صدیقی، ''امام اعظم اور علم حدیث''، انجمن دار العلوم شہابیہ، سیالکوٹ، ص ۳۲

۴۶۔ حجۃ اللہ بالغہ، ص ۳۳

۴۷۔ ایضاً

۴۸: ایضاً

۴۹: ایضاً، ص ۱۱۱۔۱۱۲

۵۰: ایضاً

۵۱: مولانا، مفتی، محمد شفیعؒ، وحدت امت۔ طارق اکیڈمی آصف پرنٹرز لاہور ۲۰۰۴، ص ۲۸

۵۲: دہلوی، شاہ ولی اللہ، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید۔ اردو ترجمہ: ڈاکٹر میاں محمد صدیقی: شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ص ۲۵

References

1. Al-Jarjani, Allama, Ali bin Muhammad, "Maajim al-Tarifat", Dar al-Fazila, Cairo, Sun.
2. Al-Amadi, Saif al-Din, Al-Ahkam fi Usul al-Ahkam, Muttaba al-Maarif Besha'ra al-Fajala, Egypt, Volume 4, p. 169
3. Dehlavi, Shah Wali Allah, Al-Insaf fi bayan subb al-dishab. Urdu translation: Dr. Muhammad Yusuf Goraya, Ulama Academy Department of Awqaf, Lahore, pp. 19-20
4. Surah Tobah 9: 43
5. Al-Bukhari, Muhammad bin Ismail, Al-Jami'a al-Sahih, Kitab al-Sayyid, Hadith number: 7288.
6. Shaz, Allama, Rashid, "Idrak Zawal Ummat", published by Glorious Printers, Daryaganj, New Delhi, IV, 2018, pp. 370-371
7. Al-Mafula Bala Dehlavi, Shah Wali Allah, Al-Insaf fi Bayan Subb al-Difhal, p. 44
8. Baghdadi, Abi Bakr Ahmad bin Ali al-Khatib, History of Baghdad. Muktaba Salafiya, Madinah Munawara, Volume 13, p. 325
9. Al-Mufalah Bala Dehlavi, Shah Wali Allah, Al-Insaf per Bayan Subbas al-Difhal. , p. 30
10. Ibid.
11. Faheem Akhtar Nadvi, Jurisprudence Disagreement and the Position of Shah Waliullah (The Case of Saifullah Rahmani), New Delhi: Islamic Book Foundation, 2003, p. 26
12. Al-Bukhari, Muhammad bin Ismail, Al-Jami'i al-Sahih, Kitab al-Mawaqit al-Salawat, Hadith Number: 581
13. Al-Qashiri, Muslim bin Hajjaj, "Sahih Muslim", Kitab al-Salawat, Chapter Al-Masfarin and Qasrha, Hadith No. 833
14. The above mentioned hadeeth number: 2116
15. Above, hadith number: 347
16. Qala Ji, Doctor, Rawas, Jurisprudence of Hazrat Umar (RA), Urdu Translation: Sajid Rahman Siddiqui, Institute of Islamic Education, Mansoora, Lahore, Mada Reza No. 2.
17. Above
18. Mufalah Bala Qila Ji, Dr. Rawas, Fiqh Hazrat Umar Radiyallahu Anhu, Zakat No. 4, Part B, Part 3
19. Al-Mawala Bala Qulaa Ji, Dr. Rawas, Fiqh Musawa Ibn Umar Radiyallahu Anhu, Hali No. 3
20. Mufaula Bala Qulaa Ji, Dr. Rawas, Jurisprudence of Hazrat Umar, Maad Salat No. 14, Part A
21. The upper part of Salat No. 9, Part B.
22. Upper environment. Material removal number 3
23. The environment above, Article No. 4, Part B
24. Ahmad bin Hanbal, "Musnad Ahmad", Darl-Hadith Cairo, Sun, Number of Hadith: 7686
25. Surah Baqarah 2: 228
26. Surah Nisa 4: 43
27. Aslahi, Amin Ahsan, "Resolving Jurisprudential Differences in the Islamic State", Faran Foundation, Lahore, p.35
28. Surah Maidah 5:6
29. Habib-ur-Rehman, Dr., "Jurisprudential Differences, Reasons and Etiquette", Sharia Academy, Islamic University, Islamabad, 2013.
1. P. 19.21

30. Siddiqui, Mian Muhammad, "Difference of Jurists, Reasons and Reasons", Fiqr and Nazar, Islamabad, April 30, June 1993, p. 18.
31. Al-Bukhari,
32. Ahmad bin Hanbal, "Musnad Ahmad", Number of Hadith: 13867
33. Al-Sajistani, Abi Dawud, Sulaiman bin Ash'ath, "Sunan Abi Dawud", Chapter of Al-Ghajid Min al-Ta'un, Number of Hadith: 3103
34. Nasa'i, Ahmad Bin Shuaib, "Sunan Nasa'i", Chapter Al-Zahab by Al-Zahab, Number of Hadith: 4574
35. Zaidan, Abdul Kareem, "Alujizfi Usul Fiqh", Urdu translation: Hayat Ulama, Muktaba Rahmaniya, Little Star Printers, Lahore, S.N., p.485
36. Rahmani, Saifullah, Maulana, The Need for Moderation for Scholars and Leaders, Darul Ash'at, Karachi, 2017, p. 23
37. Al-Sajistani, Abu Dawud, Sulaiman bin Ash'ath, "Sunan Abi Dawud", Number of Hadith: 411
38. Bahiqi, Abu Bakr Ahmad bin Hussain, "Sunan al-Kubra, Kitab al-Shahadat, chapter of Qadaa Balimin with al-Shahed, Majlis Dairhal al-Maarif, Hyderabad, 1344 AD, Number of Hadith: 21153
39. Baghdadi, Abi Bakr Ahmad bin Ali al-Khatib, History of Baghdad. Muktaba Salafiya, Madinah Munawara, Volume 11, p. 525
40. Al-Tirmidhi, Abu Isa, Muhammad bin Surah, "Al-Jami' al-Sahih", Kitab al-Nikah, Chapter Ma Jaya La Nikah Al-Abuli, Hadith Number: 307
41. Ibn Rushd, "Bida'ita al-Mujtahid", Tabab Bumsir, 1379 AD, Kitab al-Nikah, p. 24
42. Ibn Abd al-Barr, "Jami Bayan Al-Ilam wa Fazla", Muktaba Muniriyah, Egypt, Volume 3, p. 137
43. Dehlawi, Shah Waliullah, Uqd al-Jeed fi Haqam al-Jituhad and Taqleed. Urdu Translation: Dr. Mian Muhammad Siddiqui: Sharia Academy International Islamic University Islamabad, p. 111
44. Dehlavi, Shah Waliullah, Hajjatullah al-Balaga, vol. 2: 1992, Darahiya Uloom, Beirut, Lebanon, vol. 1, p. 457
45. Kandhalvi, Muhammad Ali Siddiqui, "Imam Azam and the Knowledge of Hadith", Anjaman Darul Uloom Shahabi, Sialkot, p. 32
46. Hajjatullah Balgha, p. 33
47. Ibid
48. Ibid.
49. Ibid, pp. 111-112
50. Ibid.
51. Maulana, Mufti, Muhammad Shafi, Unity of Ummah, Tariq Academy, Asif Printers, Lahore, 2004, p. 28.
52. Dehlawi, Shah Waliullah, Uqd al-Jeed Fi Haqam al-Juthad and Taqleed. Urdu Translation: Dr. Mian Muhammad Siddiqui: Sharia Academy International Islamic University Islamabad, p. 25